ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۱۷؍۱، جنوری۔ جون ۲۰۰۲ء

فنِ اصول تفسیر 'مبادی تدبر قرآن' کے حوالہ سے

اشہد رفیق ندوی

علوم اسلامیہ میں عظیم ترین علم بلاشبہ تفسیر قرآن کا علم ہے۔ اس کی تاریخ بھی تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود قرآن مجید کی تاریخ، قرآنی آیات اور سورتوں کا نزول ہوتے ہی حضور نبی کریم ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے مطلع فرمادیتے۔ قرآن مجید کے مبارک الفاظ صحابہ کرامؓ تک پہونچتے، بیشتر کا مفہوم اپنے آپ سمجھ میں آجاتا، جہاں کہیں وہ دقت محسوس کرتے آنحضور ﷺ اس کی وضاحت فرمادیتے۔ یہ آپ کا فریضۂ منصبی تھا[۱] اور اسی کا نام تفسیر ہے۔ قرآنی آیات واحکام کے مفہوم ومدعا کی وضاحت کا جو سلسلہ دربار نبویؐ سے شروع ہوا وہ ہنوز جاری ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا، کیونکہ آنحضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔[۲]

ہر علم وفن کی طرح علم تفسیر کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ اسی موضوع پر کام ہوا ہے۔ اسی فن کا ایک کلیدی شعبہ اصول تفسیر ہے۔

اصول تفسیر ایسے اصول وقواعد کا نام ہے، جو مفسرین قرآن کے لئے نشان منزل کی تعیین کرتے ہیں تاکہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے والا ان کی رہنمائی اور روشنی میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہے اور اس کے منشا ومفہوم کا صحیح ادراک کرسکے۔[۳]

قرآن فہمی کے لئے اس موضوع کی اساسی اہمیت کے پیش نظر توقع یہ تھی کہ مفسرین کرام نے اس کا حق ادا کیا ہوگا اور اس فن میں بے شمار کتابیں تصنیف کی ہوں

گی لیکن اسلامی کتب خانوں میں اصول تفسیر کے موضوع پر مواد تلاش کیا جائے تو بڑی مایوسی اور تعجب ہوتا ہے کہ اتنا عظیم الشان فن علماء کی توجہ سے کیوں کر اس قدر محروم رہا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے رسالہ " مقدمة فی اصول ا لتفسیر" کو اس موضوع کا اولین رسالہ کہا جاتا ہے ،خود ابن تیمیہؒ نے اس کا سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ'' بعض احباب نے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں جو قواعد کلیہ پر حاوی ہو، قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر و معانی کی معرفت میں معین ہو، اس بارے میں منقول و معقول، حق و باطل کی تمیز کرنے والا اور قیل وقال میں فیصلہ کن دلیل کی راہ دکھانے والا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ کتب تفسیر میں رطب و یابس کی بھر مار ہے، کھلا ہوا باطل موجود ہے اور روشن حق بھی۔'' ۴

پھر ایک طویل عرصہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی 'الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' سامنے آئی جسے موضوع زیر بحث کی پہلی مکمل کتاب کا مقام حاصل ہوا، ۵ گویا اس موضوع پر کام کا آغاز آٹھویں صدی ہجری میں ہوا اور بارہویں صدی ہجری میں پایۂ تکمیل کو پہونچا، اس پورے عرصہ میں مفسرین قرآن کے سامنے اصول تفسیر کا کوئی واضح نقشہ موجود نہ تھا، بلکہ یہ حضرات اپنے لیے کچھ اصول و خطوط متعین فرما لیتے اور اسی کے مطابق تفسیریں رقم فرماتے اصولی مباحث میں جہاں دقت پیش آتی، اصول فقہ وغیرہ سے مدد حاصل کر لیتے، ۶ اس طرح یہ عظیم الشان فن صدیوں تک ایک منظم اور باقاعدہ فن کے طور پر سامنے نہ آسکا اور حضرات مفسرین کرام اپنے اپنے انداز میں تفسیریں رقم فرماتے رہے۔

تاریخ تفسیر کا طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ہر دور میں نئے انداز، نئے منہاج اور نئے اسلوب میں قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے پیچھے جہاں یہ مقصد کارفرما تھا کہ قرآنی تعلیمات کی اس دور کے اسلوب میں توضیح وتشریح کی جائے تاکہ اس زمانے کے لوگوں کے لئے اس کا فہم

آسان ہو، وہیں انہیں توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی خواہش بھی بعض حلقوں میں ضرور موجود تھی۔ چنانچہ ہر دور میں علماء صالحین کے ساتھ علماء سوء نے تفسیر قرآن کو موضوع سخن بنایا اور من مانی تفسیریں لکھیں اگر تفسیر قرآن کے اصول وقواعد منضبط شکل میں موجود ہوتے تو من مانی تفسیر لکھنے والوں کو شاید اتنا حوصلہ نہ ہوتا اور ان کی طرف سے اتنی بے باکی کا مظاہرہ نہ ہوتا جو بالآخر خود ان کی اور ان کے ساتھ دوسروں کی بھی گمراہی کا باعث بنا(۷)

اصول تفسیر پر مواد کی کمی کا احساس بہت سے لوگوں نے کیا ہے اور حسب استطاعت اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش بھی کی ہے، اس دور کے علماء میں استاذ امام حمیدالدین فراہیؒ نے نہایت کرب کے ساتھ اس کمی کو محسوس کیا، اس کے اثرات وعواقب کا جائزہ لیا اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک مبسوط خاکہ تیار کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ''قرآن مجید کی تاویل کے اصول قائم کرنے اور ان کو مضبوط بنیادوں پر اٹھانے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں کا ہر فرقہ سہارا قرآن ہی کا لیتا ہے، لیکن اس کی تاویل اپنی رائے سے کرتا ہے۔ ۸

اس مختصر جائزے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ موضوع ہنوز تشنۂ تکمیل ہے، اس کمی کو پورا کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں، وہ نہایت قابل قدر ہیں اور اس سمت میں ایک اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتی ہیں مگر یہ کام ابھی اس حد تک منضبط نہیں ہو سکا ہے جیسا کہ اصول حدیث اور اصول فقہ وغیرہ پر صدیوں پہلے ہو چکا ہے، استاذ امام فراہیؒ نے نہ صرف اس خلا کی طرف توجہ دلائی بلکہ اس کی تکمیل کا بیڑا بھی اٹھایا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے ایک عظیم الشان اور وسیع الاطراف خاکہ تیار کیا اور اس منصوبہ کے مطابق متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں(۹) اصول تفسیر کی دنیا میں ان کتابوں کو کلیدی مقام حاصل ہوا اور بعد کے مفسرین نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

مولانا فراہیؒ کی علمی میراث کا بہت کم حصہ ان کی حیات میں منظر عام پر آیا،

ان کے انتقال کے بعد اس عظیم الشان سرمایہ کے سب سے بڑے امین اور شارح مولانا امین حسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ قرار پائے، اب یہ ان کی اور ان کے رفقاء کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس فکر کی ترویج و اشاعت کریں اور اس سے علمی دنیا کو روشناس کرائیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ ایک جیّد عالم، بلند پایہ ادیب، مایۂ ناز محقق، طبع زاد مصنف اور شعلہ بیان خطیب تھے، وہ چاہتے تو اپنے شخصی اوصاف و کمالات سے اپنی شناخت بنا سکتے تھے۔ مگر ابتداء ہی سے انہوں نے اس فکر کی ترویج و اشاعت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا اور اس کی شرح و ترجمانی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ کوئی شاگرد اپنے استاذ کو اس سے بہتر خراج عقیدت نہیں پیش کر سکتا۔

اصول تفسیر کے میدان میں مولانا فراہیؒ نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں، ان کو دنیا نے بہت کچھ مولانا اصلاحیؒ کے ذریعہ جانا، سب سے پہلے انہوں نے مولانا فراہی کے اصول تفسیر سے علمی دنیا کو متعارف کرانے کے لئے 'الاصلاح' میں مقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ یہ مقالات بعد میں کتابی شکل میں 'تدبر قرآن ' کے نام سے شائع ہوئے، اس کے بعد یہی کتاب کچھ تبدیلی و اضافہ کے بعد 'مبادی تدبر قرآن' کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے، (۱۰) اصول تفسیر کے موضوع پر یہ ایک مقبول عام کتاب ہے۔ پیش نظر مضمون میں اسی کتاب کے حوالہ سے اصول تفسیر پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب کا آغاز ''فہم قرآن کی ابتدائی شرطیں'' کے عنوان سے ہوا ہے، بالعموم ایسے عناوین اصول تفسیر کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے، البتہ علوم القرآن کی بعض کتابوں میں مفسرین کے لئے جو شرطیں اور آداب بیان کئے گئے ہیں، ان کے ضمن میں یا بعض کتابوں میں تلاوت و تفسیر کے آداب کے بیان میں کہیں کہیں ان کا ذکر مل جاتا ہے، [۱۱] حالانکہ یہ شرطیں بہت بنیادی نوعیت کی ہیں اور ان کے اہتمام کے بغیر قرآن مجید کا صحیح فہم و شعور حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، ان شرائط پر عمل آوری سے تمام

غلط باتوں اور غلط راہوں کا پیشگی انسداد ہو جاتا ہے، مولانا اصلاحیؒ نے اس عنوان کے تحت پانچ شرطیں بیان کی ہیں، (۱) نیت کی پاکیزگی، (۲) قرآن مجید کو ایک برتر کلام مانا جائے، (۳) قرآن کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کا عزم (۴) تدبر (۵) تفویض الی اللہ۔ پھر ان شرطوں کی وضاحت اس طرح کی ہے جس طرح نماز کے لئے طہارت اور وضو شرط ہے.......... اسی طرح فہم قرآن کے لیے بھی کچھ ابتدائی شرطیں ہیں اور آدمی کو فہم قرآن کی نعمت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ ان شرائط کے اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرے [۱۲] پھر ان کی تفصیلات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز نیت کی پاکیزگی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کو صرف طلب ہدایت کے لیے پڑھے، کسی اور غرض کو سامنے نہ رکھے اگر طلب ہدایت کے سوا آدمی کے سامنے کوئی اور غرض ہوگی تو نہ صرف یہ کہ وہ قرآن کے فیض سے محروم رہے گا بلکہ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ قرآن سے جتنا دور وہ اب تک رہا ہے، اس سے بھی کچھ زیادہ دور ہٹ جائے۔ [۱۳] قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے صحیفہ ہدایت بنا کر اتارا ہے اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت کا داعیہ ودیعت فرمایا ہے اگر اسی داعیہ کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس سے بقدر کوشش اور بقدر توفیق الٰہی فیض پاتا ہے اگر اس داعیہ کے علاوہ کسی اور داعیہ کے تحت وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو ''لکل امر مانوی'' [۱۴] کے اصول کے مطابق وہی چیز پاتا ہے جس کی اس کو تلاش ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تعریف فرمائی ہے ''یضل به کثیراً ویھدی به کثیراً (بقرہ ۲۶) اس کے ذریعہ اللہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے'' [۱۵]

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے اگر دل میں قرآن مجید کی عظمت واہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے سمجھنے اور اس کے حقائق ومعارف کے دریافت کرنے پر وہ محنت صرف نہیں کر سکتا جو اس کے

خزائن حکمت سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے۔

قرآن حکیم سے استفادہ کے لئے تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کے اندر قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کو بدلنے کا مضبوط ارادہ ہو، ...... ایک شخص جب قرآن مجید کو گہری نگاہ سے پڑھتا ہے، تو وہ ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ قرآن کے تقاضے اور مطالبے اس کی اپنی خواہشوں اور چاہتوں سے بالکل مختلف ہیں، (ایسی صورت میں) صاحب عزم اور حق طلب آدمی یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ خواہ کچھ ہو میں اپنے آپ کو قرآن کے تقاضوں کے مطابق بنائے رہوں گا، وہ ہر قسم کی قربانیاں کر کے، ہر طرح کے مصائب جھیل کر، ہر قسم کی ناگواریاں برداشت کر کے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے لیکن جو صاحب عزم نہیں ہوتا، وہ اس خلیج کو پاٹنے کی ہمت نہیں کر سکتا، جو وہ اپنے اور قرآن کے درمیان حائل پاتا ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں اپنے عقائد و تصورات کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کروں گا تو مجھے ذہنی اور فکری حیثیت سے نیا جنم لینا پڑیگا" ...... ۱۶؎ یہ ساری راہیں شیطان کی نکالی ہوئی ہیں اور ان میں سے جس راہ کو بھی اختیار کریگا، وہ اس کو سیدھے ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جائے گی، کامیابی اور فلاح کا راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی ہمت کرے۔ ۱۷؎

چوتھی شرط تدبر ہے، اس شرط کا ذکر خود قرآن مجید نے بار بار کیا ہے، "افلایتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا" (سورہ محمد: ۲۴) کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآن کے مخاطب اول تھے، وہ قرآن مجید کو برابر تدبر کے ساتھ پڑھتے تھے اور جو لوگ جتنا تدبر کرتے تھے، وہ اتنے ہی قرآن مجید کے فہم میں ممتاز تھے، ۱۸؎

قرآن مجید سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کی مشکلات میں آدمی بد دل اور مایوس ہونے کے بجائے اپنی الجھن اللہ تعالیٰ کے سامنے

پیش کرے، اس سے مدد اور رہنمائی طلب کرے، قرآن میں آدمی کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک 'قول ثقیل، کے نیچے دب گیا ہے، اس بارگراں کا اٹھانا اس کے لئے ناممکن ہے...... اس طرح کی عملی اور فکری مشکلوں اور الجھنوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اور قرآن مجید پر جمارہے اور اگر قرآن مجید یاد ہو تو شب کی نمازوں میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، انشاء اللہ اس کی سارے الجھنیں دور ہو جائیں گی اور حکمت قرآن کے ایسے دروازے کھل جائیں گے کہ پھر اس کو قرآن حکیم کی ہر مشکل آسان معلوم ہونے لگی گی۔ ١٩

'مبادی تدبر قرآن' کا یہ باب اصول تفسیر کی تمام کتابوں سے منفرد ہے، اس سے ایک بات تو یہ اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف کے مخاطب صرف علماء ومفسرین ہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص ہے جو فہم قرآن کا ذوق وشوق اور اس کی طلب رکھتا ہو، اسی لئے انہوں نے آغاز ایسے مضمون سے کیا ہے جو قرآنیات پر کام کرنے والے ہر فرد کے لئے ناگزیر ہے نیز ان سطور سے مولانا اصلاحیؒ کے قرآن کریم سے والہانہ تعلق کا بھی اظہار ہوتا ہے جو انہیں استاذ امام فراہیؒ کی تربیت اور برسہا برس کی ریاضت کے ذریعہ حاصل ہوا تھا اور اسی سے ان اعتراضات کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً ان کے خلاف کئے جاتے رہے ہیں۔

کتاب کے دوسرے باب کا عنوان ''تدبر قرآن کے اصول وآداب'' ہے اس باب میں مصنف نے تدبر قرآن کے کچھ اہم اصول وآداب کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس باب کی پہلی سرخی نیت کی درستی ہے، پہلے باب میں اس عنوان کے تحت جو بات بہت مختصر انداز میں بیان ہوئی ہے، اس باب میں وہ بہت مدلل ومفصل طور بیان ہوئی ہے، اس ضمن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ '' قرآ مجید میں دوطرح کی آیات ہیں، ایک 'محکمات' دوسری 'متشابہات'، محکمات اپنے مفہوم ومطلب میں بالکل واضح ہیں، ان میں کسی پہلو سے کسی طرح کا اشتباہ نہیں ہے، ان کا تعلق ہماری عملی اور اعتقادی زندگی کے اساسی مسائل سے ہے، اس لئے ہم ان کے

تمام پہلوؤں کو اپنی گرفت میں لے سکتے ہیں،...... ''متشابہات کا حال ان سے کچھ مختلف ہے، اصولی طور پر تو وہ عقل واستدلال کی نہایت محکم بنیادوں پر مبنی ہوا کرتی ہیں، اس لئے ان پر اجمالاً ایمان لانے اور ان پر یقین کرنے میں عقل کو ذرا بھی الجھن نہیں ہوتی، لیکن چونکہ ان کا تعلق اس عالم محسوسات سے ماورا امور سے ہوتا ہے، اس وجہ سے ان کی تفصیلات ہماری عقل و منطق کے دائرے میں نہیں سماتیں'' ۲۰

محکمات ومتشابہات کا تذکرہ تقریباً تمام اصولی کتابوں میں ملتا ہے، مگر مولانا اصلاحیؒ نے یہاں اس کا تذکرہ مختلف فیہ بحث کی تنقیح کے لیئے نہیں بلکہ پاکیزگی خیال کی بحث کو مدلل کرنے کے لئے کیا ہے، پھر آگے لکھا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی آیات دو طرح کی ہیں، اسی طرح قاری دو طرح کے ہیں، ایک وہ لوگ ہیں جو اپنے ارادہ و نیت کو درست کر کے اس کی طرف بڑھتے ہیں اور ان کا مقصد رشد و ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہوتا.......... اور دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اپنے ارادہ و نیت کی اصلاح کئے بغیر محض اپنے اغراض وخواہشات کی تائید ڈھونڈھنے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں، اور بجائے اس کے کہ اپنی باگ قرآن کے ہاتھ میں دے دیں، چاہتے ہیں کہ قرآن کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو جس طرف چاہیں پھیر دیں'' ۲۱

مولانا اصلاحیؒ نے فہم و تدبر کے لئے ایک لازمی شرط تقویٰ کو بھی قرار دیا ہے ،اس سلسلے میں مولانا نے ''ھدی للمتقین'' ''ھدی للمحسنین ''جیسی آیات سے استدلال کیا ہے اور قرآن مجید میں عبرت وموعظت کی جو داستانیں بیان ہوئی ہیں، ان سے اس بحث کو مدلل کیا ہے، مولانا اصلاحیؒ کا کہنا ہے کہ'' یہ ہدایت ہے متقین کے لئے، یہ ہدایت ہے محسنین کے لئے کا مفہوم اس سے کسی قدر وسیع ہے جو عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس وجہ سے اس کا فہم و تدبر صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے، جو اس نعمت پر اللہ کے شکر گذار ہوں اور اس کی شکر گذاری یہ ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے ان کو دی گئی ہے، اس کو پوری طرح اپنے اوپر طاری کریں، جوں جوں وہ اس نعمت کے قدرو

احترام میں بڑھتے جائیں گے، اسی قدر اس کی برکتیں ان کے لئے بڑھتی جائیں گی ۲۲۔

تیسیر قرآن: یہ اس کتاب کا سب سے طویل اور نہایت معرکۃ الآراء مضمون ہے، اس مضمون کا بظاہر اصول وضوابط سے براہ راست تعلق نہیں ہے، مگر اس میں ایسی بنیادی معلومات جمع کر دی گئی ہیں جو طالب قرآن کے لئے فہم قرآن کی بہت اہم راہیں ہموار کرتی ہیں اور ان مضامین پر شرح صدر کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا اور سمجھانا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس لئے اگر چہ اصولی کتابوں میں ان مباحث سے تعرض نہیں کیا جاتا لیکن ذرا گہرائی سے دیکھا جائے تو ان کا بڑا گہرا تعلق ہے، اسی لئے زیر مطالعہ کتاب میں اسے سب سے زیادہ جگہ دی گئی ہے۔

اس ضمن میں آیت تیسیر اور اس مضمون کی دوسری آیات کو بنیاد بنایا گیا ہے، اور ان آیات کے ظاہری مفہوم سے معاندین قرآن نے جو غلط فہمیاں پیدا کی ہیں، ان میں سے ایک ایک کا جائزہ لے کر اس کی حقیقت واضح کی گئی ہے پھر سیاق وسباق اور نظائر قرآن کی روشنی میں آیت کا صحیح مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آیت کریمہ: ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر" (سورہ قمر: ۵۴) اور اس جیسی دوسری آیات میں قرآن مجید نے خود اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ "وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے (بقرہ: ۲) نہایت آسان ہے، اس میں کوئی اینچ پیچ اور الجھاؤ نہیں ہے (الزمر: ۲۸) وہ ہر بات کو کھول کر بیان کرنے والی ہے (النحل: ۸۹) ان اوصاف کریمہ کا صحیح تناظر میں مفہوم متعین کرنے کے بجائے اپنے مخصوص ذہنی تحفظات کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اس سے یہ مفہوم متعین کرلیا ہے کہ "قرآن مجید اپنی تعلیمات، اپنی زبان، اپنے اندازِ بیان، غرض ہر پہلو سے بالکل واضح ہے، اس وجہ سے اس کا مخاطب اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کے علم کے سوا کسی خارجی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔ ۲۳

"ان آیات کریمہ کا پس منظر اور مفہوم ومدعا اپنے آپ میں واضح ہے، مگر کچھ کج فہم وکج فکر لوگوں نے قرآن مجید کو شریعت اسلامیہ کے دوسرے مآخذ سے

کاٹ کر من مانی تاویلات کرنے کے لئے اپنے الفاظ وتعبیرات کی افسوں طرازی کے سہارے ان آیات سے عجیب وغریب استدلال کرنا شروع کردیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ:

۱۔ قرآن مجید بنی نوع انسانی کے تمام طبقات کے لئے صحیفہ ہدایت بن کر نازل ہوا ہے، اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم ودعوت کا معیار عام عقل انسانی کے معیار کے مطابق ہو، تاکہ ہرانسان جوفکر ونظر کی عام استعداد رکھتا ہے، اس کو سمجھ سکے۔

۲۔ قرآن مجید سے جو باب ثابت ہوتی ہے، وہ قطعی مانی جاتی ہے، اس وجہ سے اس کی تفسیر وتاویل ایسی چیزوں کی اعانت سے مستغنیٰ ہونی چاہیے جن کا بیشتر حصہ ظنی ہے مثلاً روایات واحادیث وغیرہ۔

۳۔ قرآن مجید کی زبان عربی مبین ہے، اس کی عبارت نہایت آسان، اس کا طرز بیان نہایت شگفتہ اوراس کا طریق استدلال بالکل واضح ہے، اس لیے اس کے سمجھنے کے لیے عربی زبان کے علم کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔[۲۴]

مولانا اصلاحیؒ نے ان استدلالات کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے اوران کے بطن سے جنم لینے والے فکر وعقیدہ کی گمراہیوں اوران کی ہلاکت خیزیوں کا بے لاگ جائزہ لیا ہے، مولانا نے فکری انکاروانحراف کے سرچشموں کا پتہ لگایا ہے اورایک ایک کی نشاندہی کی ہے۔

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک ان فتنہ سامانیوں کا ایک سبب قدیم طریقہ تفسیر اورذخیرہ تفسیر ہے، مولاناؒ نے ان تفاسیر پر پُرمغز تبصرہ کیا ہے اوران کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قدیم طریقہ تفسیر وطریقہ استدلال سے اس طرح کے خیالات کوتحریک وتقویت ملی ہے۔

''یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ تفسیر قرآن کا سب سے زیادہ مبارک دور ہماری تاریخ کا ابتدائی دور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم وتعلم کے تمام

ضروری شرائط و حالات اس عہد مبارک میں بدرجۂ کمال موجود تھے، پھر دورِ نبوت کے بعد اسلامی تعلیمات کے زوال، عجمیت اور عجمی علوم کے اختلاط، مذاق زبان کے بگاڑ سے بدعتوں کا فتنہ اٹھا۔ اور چونکہ دین کی اصلی بنیاد قرآن مجید تھا، اس وجہ سے قدرتی طور پر اہل بدعت کے تیشے سب سے پہلے اسی پر پڑے۔ اس فتنہ کے سدِ باب کے لئے اہل سنت واہل حق نے یہ مذہب اختیار کیا کہ تفسیر قرآن کے باب میں تمام قیل وقال سے علیحدہ ہو کر حتی الامکان صرف رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال پر اعتماد کیا جائے، تاکہ اہل بدعت کو کتاب الٰہی میں دراندازی کا کوئی راستہ نہ ملے"

"یہ حقیقت میں ایک فتنہ کے سد باب کے لیے ایک وقتی تدبیر اور ایک بیمار کی مناسب وقت دوا تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جو جماعت اپنی بدعات کی حمایت وتائید میں قرآن کو ساتھ لینا چاہتی ہے، اس کے لیے یہ راہ مسدود ہو جائے" ۲۵

اس اصول کی نمائندہ تفاسیر میں سب سے ممتاز تفسیر امام جریر طبری کی تفسیر طبری ہے۔ اس تفسیر کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ آیات قرآنی سے متعلق جو کچھ مأثور مواد موجود تھا، بلا جرح تعدیل انھیں اکٹھا کر دیا گیا ہے، اسی اصول کو بنیاد بنا کر علامہ ابن کثیرؒ نے "تفسیر القرآن العظیم" رقم فرمائی یہ دراصل تفسیر طبری کا اختصار ہے، البتہ اس میں اس بات کا بھی اضافہ تھا کہ محدثانہ طریق پر اس میں روایات کی تنقید بھی کی گئی ہے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ یہ ایک پاکیزہ محرک اور نیک نیتی کے ساتھ اٹھایا گیا مبارک قدم تھا، افسوس کہ اس کے نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی گئی اور ساتھ ایک دوسرے فتنے کا دروازہ کھل گیا، اہل بدعت واصحاب باطل کی مطلق العنانیوں اور فتنہ آرائیوں کے لئے روایات وآثار کو اہمیت دی گئی، لیکن پھر روایات میں اس درجہ انہماک بڑھ گیا کہ ان کے بارے میں نقد وتمیز کی آنکھیں بند ہو گئیں اور آہستہ آہستہ صحیح روایات کے ساتھ قصوں اور اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ تفسیر کی کتابوں میں داخل کر دیا گیا" ۲۶

''بعد کے دور میں فلسفہ وکلام کے زور پکڑنے کی وجہ سے جب قرآن کی بارگاہ مقدس میں کلامی جدلیات اور فلسفیانہ موشگافیوں کو باریابی حاصل ہوئی تو الجھاؤ اور زیادہ بڑھ گیا، اب تک تو خیریت تھی کہ قرآن مجید کی تاویل صرف روایات ہی پر منحصر تھی، ہر بات کا سلسلہ صحیح یا غلط ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ وغیرہ تک پہونچتا تھا، لیکن اب وہ لوگ بھی شریک بزم ہوگئے، جو نقل سے زیادہ عقل کے دلدادہ اور قرآن مجید کی ہر آیت کو اپنے قالب میں ڈھالنے کے شائق تھے''۔۲۷

''علم کلام کے غلو نے قرآن مجید کی قطعیت کو مشتبہ کردیا، کیونکہ متکلمین کے نام نہاد عقلی دلائل کے مقابل میں خود قرآن کے الفاظ کی دلالت بالکل بے وزن ہو کر رہ گئی اور تفسیر میں تمام تر بھروسہ ان برہانیات پر ہوگیا، جو ہمارے متکلمین کے ذہنوں کی پیداوار تھیں''۲۸

تفسیر قرآن کے دیگر رجحانات کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے ان تفسیروں کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھنا چاہا، ان کو ان باتوں کی وجہ سے سخت مایوسی ہوئی، یہاں تک کہ یہ حالات پیش آگئے جن سے آج ہم دوچار ہیں یعنی ایک جماعت نے پوری قوت کے ساتھ روایات وآثار کے خلاف اعلان جنگ کردیا، ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو اس کے الفاظ کی روشنی میں سمجھتے تھے، ان کو نہ تو روایات کی ضرورت پیش آتی تھی، نہ وہ ان متکلمانہ برہانیات کے محتاج ہوتے،۔

ان خیالات کو ان لوگوں نے مزید رنگ وآہنگ دے کر چمکایا جو مغربی خیالات سے مرعوب تھے، انھوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ قرآن مجید تو ایک نہایت آسان اور سادہ کتاب ہے، تمام انسانوں کے لئے صحیفہ رشد وہدایت بن کر نازل ہوا ہے، اگر وہ دقیق اسرار پر مشتمل ہوگا تو دنیا اس کے فوائد سے محروم رہ جائے گی اور بندوں پر اللہ کی حجت قائم نہ ہوسکے گی''۲۹ اس لیے اس کی تفسیر وتاویل میں بجز زبان دانی کے کسی خارجی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے، خارجی وسائل بہر حال ظنی

ہوں گے،اس سے قرآن کی قطعیت مجروح ہوگی۔

اس قیمتی تحلیل وتجزیہ کے بعد مولانا محترمؒ نے آیات کے مفہوم پر بہت مدلل اور پر مغز بحث کی ہے،ان کا کہنا ہے کہ ''قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ وہ ایک سپاٹ کتاب ہے، اس کے برعکس اس میں بے شمار آیات اس مضمون کی ہیں کہ اس پر تدبر کرنا چاہئے ،بغیر تدبر کے اس کی تعلیمات سمجھ میں نہیں آ سکتیں، جولوگ قرآن مجید کو گہری کتاب نہیں سمجھتے اور آیت "ولقدیسرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر"(سورۃ القمر۵۴) سے اپنے خیال پر دلیل لاتے ہیں،ان کا استدلال بالکل کمزور بلکہ غلط ہے،آیت مذکورہ کا مطلب وہ نہیں ہے جوعموماً سمجھا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے حصول علم اور تعلیم کے لیے بالکل مکمل اور موزوں بنایا ہے،اس مقصد کے لیے وہ تمام پہلوؤں سے بالکل لیس ہے۔اس میں کوئی کسر نہیں ہے،یسرنا کا لفظ صرف اس کے آسان ہونے کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ دراصل اس کے کمال،اس کی جامعیت اور اس کے استقصاء اور موزونیت کو ظاہر کرتا ہے اوراسی سے اس کا آسان ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جو چیز ایک مقصد کے لئے پوری طرح ہموار اور استوار کرلی گئی ہے، وہ اس مقصد کے لئے یقیناً سہل اور آسان بھی ہوگی''۳۰

''قرآن مجید کلام کی اس صنف مین داخل ہے جو بعض اعتبارات سے نہایت آسان وسہل ہے اور بعض اعتبارات سے نہایت دقیق اور مشکل...... جہاں تک عام تعلیم کا تعلق ہے بالکل واضح ہے، پہلی نظر میں حرام وحلال کے تمام حدود متعین کردیتا ہے، اورنیکی وبدی کے پہچاننے کے لئے تمام آثار اورعلامتیں نمایاں کردیتا ہے۔لیکن اسی کے ساتھ اس میں ایک عمیق فلسفہ اور گہری حکمت بھی ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے سرسری طور پر گذرنا کافی نہیں ہے''۳۱

جولوگ قرآن مجید کی تفسیر کے باب میں صرف روایات ہی پر اعتماد کرتے ہیں یقیناً وہ غلو کرتے ہیں، یہ بات محققین کے مذہب اور طریقہ کے بالکل خلاف ہے،

قرآن مجید کی تفسیر میں اصل الاصول خود قرآن کے الفاظ، اس کے شواہد و نظائر اور کلام کے سیاق و سباق اور اس کے نظم کا لحاظ ہے تو ضروری ہے کہ آیت کی تاویل میں ان کو مقدم رکھا جائے، لیکن یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ روایات و احادیث کی رہنمائی کے بغیر تفسیر قرآن کی مشکلات حل نہیں ہو سکتیں'' ۳۲

یہ دعویٰ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن مجید اپنے سمجھنے کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے لیکن قرآن کی تفسیر میں روایات و آثار کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا قرآن کے محتاج ہونے کا ثبوت نہیں بلکہ یہ ہمارے محتاج ہونے کا ثبوت ہے'' ۳۳

اصول تفسیر: کتاب کا آخری باب ''تفسیر کے اصول'' ہے پنجاب یونیورسٹی کی دعوت پر ایم، اے اسلامیات کے طلبہ کے سامنے مولانا اصلاحیؒ نے اس موضوع پر ایک لیکچر دیا تھا، نظر ثانی کے بعد اسے شامل کتاب کرلیا گیا ہے، کتاب کا یہ حصہ مکتبہ فراہی کے اصول تفسیر کا نچوڑ ہے، اس میں جو مضامین زیر بحث آئے ہیں، استاذ امام فراہیؒ اور مولانا امین حسن اصلاحیؒ کی کتابوں میں جا بجا ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس مقام کے علاوہ تدبر قرآن کے مقدمہ میں ان مضامین کا بہت ہی عمدہ اسلوب اور ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

سب سے پہلے مولانا اصلاحیؒ نے تفسیری مناہج و رجحانات کا دلائل و حقائق کی روشنی میں تجزیہ کیا ہے، ان کے خصائص و امتیازات پر تفصیلی بحث کی ہے اور ایسے مقامات اور وسائل پر تنقید کی ہے جو ان کے نزدیک تفسیر قرآن کے لئے مناسب نہیں تھے، یہ تاریخی تجزیہ اس لئے ناگزیر تھا کہ مولانا اصلاحیؒ دینائے تفسیر کو ایک نئے منہج تفسیر سے متعارف کرانا چاہتے تھے، اس منہج تفسیر کا خدوخال واضح کرنے کے لئے اس کا پس منظر بیان کرنا ضروری تھا، تاکہ ایک نئے منہج تفسیر یا مکتبہ فکر کی ضرورت و جواز ثابت ہو سکے، اس کے بعد باقاعدہ اصول تفسیر کی بحث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں: ''اب میں تفسیر کے وہ اصول بیان کرونگا، جو میرے نزدیک صحیح ہیں اور جن کے صحیح ہونے کی گواہی عقل بھی دیتی ہے اور جواز روئے نقل بھی صحیح معلوم ہوتے ہیں،

میرے نزدیک یہی وہ اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین قرآن مجید کی تاویل میں پیش نظر رکھتے تھے'' ۳۴

اصولی مباحث میں سب سے پہلے مآخذ تفسیر کا تذکرآتا ہے، تقریباً تمام مفسرین اور اصولیین نے اس موضوع پر کھل کر بحث کی ہے، استاذ امام فراہیؒ نے بھی ان مباحث پر مفصل گفتگو کی ہے، مولانا اصلاحیؒ کی تمام تحریریں بیشتر انہی کے افادات پر مشتمل ہیں۔

ان مآخذ تفسیر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، استاد اور شاگرد دونوں کی اس موضوع پر تحریروں کو جمع کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مآخذ کو کئی ناموں سے یاد کیا گیا ہے، امام فراہیؒ نے اصلی اور فرعی ،خبری مآخذ اور لسانی مآخذ کہا تو مولانا اصلاحی نے اس کو قطعی اور ظنی مآخذ اور کبھی داخلی اور خارجی وسائل، کے نام سے یاد کیا ہے، تمام تحریروں کا مفہوم یکساں ہے، مگر ان تحریروں میں کہیں مقام وترتیب، کہیں اجمال وتفصیل کا فرق ہے، زیر مطالعہ کتاب میں اسے 'قطعی اصول اور ظنی اصول' کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ۳۵

تفسیر کے چار قطعی اصول:۔ (۱) لغت قرآن (۲) نظم قرآن (۳) تفسیر القرآن بالقرآن (۴) سنت متواترہ، ان اصول ہائے تفسیر کا مطالعہ کرنے سے پہلے مولانا اصلاحیؒ کی یہ وضاحت ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ اصول جہاں تک ہمارے بیان کرنے کا تعلق ہے، الگ الگ بیان ہوں گے، لیکن یہ تفسیر قرآن میں استعمال بالکل ایک ساتھ ہوں گے، ایک ساتھ استعمال ہونے ہی کی وجہ سے ان کے اندر وہ استحکام پیدا ہوتا ہے جو ان کو قطعیت کا درجہ دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو، بلکہ الگ الگ استعمال کرنے کی کوشش کی جائے تو ان میں اکثر اپنی قطعیت کھو بیٹھیں گے'' ۳۶

(۱) لغت قرآن: مولانا کے نزدیک تفسیر قرآن کا پہلا اصول یہ ہے کہ تفسیر کا اول ماخذ اس زبان کو بنایا جائے جس زبان میں قرآن مجید اترا ہے، اس اصول کا زیر مطالعہ کتاب میں دو سے زیادہ مقامات پر تذکرہ ہے ۳۷ اور مقدمہ تدبر

قرآن میں بھی اس موضوع پر بڑی مبسوط بحث ہے ۳۸؎ لغت قرآن سے مولانا کی مراد وہ ٹکسالی زبان ہے جس مین قرآن مجید نازل ہوا ہے، جو رسول عربی ﷺ کی زبان تھی، عرب معاشرہ جس پر فخر کرتا تھا، قبیلہ قریش کو جس کی وجہ سے سیادت حاصل تھی اور قرآن مجید نے جس کی جانب متعدد مقامات پر اشارہ کیا ہے۔

اصول تفسیر یا علوم قرآن پر جن اصحاب علم نے قلم اٹھایا ہے، سب نے لغت قرآن کی معرفت اور اس سے استفادہ پر بہت زور دیا ہے۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کے بغیر فہم قرآن ممکن نہیں ہے البتہ مولانا اصلاحیؒ اور دیگر علماء کرام کے نقطۂ نظر میں اتنا فرق ہے کہ مولانا اسے اولین ماخذ قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے علماء اسے اولین ضرورت سمجھتے ہیں، لغت قرآن یا کلام عرب میں مہارت کی بنیاد پر فہم قرآن کی اہلیت نصیب ہونا ایک الگ مسئلہ ہے۔ اور تفسیر و تاویل کے اختلاف میں اسلوب اور تقاضوں کو حکم ماننا، ان کی بنیاد پر تاویل کی ترجیحات طے کرنا ایک بالکل دوسرا مسئلہ ہے، مولانا اصلاحیؒ چونکہ اسے داخل قرآن مانتے ہیں، ان کی نگاہ میں ایسی بہت سی نظیریں رہی ہوں گی جہاں لوگوں نے تقاضائے اسلوب کو نظر انداز کیا اور صحیح تاویل سے دور نکل گئے، اس لئے نہ صرف اس واقفیت و مہارت کو بلکہ نتائج تدبر میں اس سے استشہاد پر بھی زور دیتے ہیں۔ ۳۹؎

۲۔ نظم قرآن: قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے دوسری چیز جس کا اہتمام ناگریز ہے اور جو صحیح تاویل کی تعیین میں ایک فیصلہ کن عامل کی حیثیت رکھتا ہے، وہ کلام کا نظم ہے، نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک خاص عمود ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ مناسبت اور ترتیب کے ساتھ اس موضوع سے مربوط ہوتی ہیں سورہ کے بار بار مطالعہ سے سورہ کا عمود واضح ہو جاتا ہے پھر سورہ کی آیات کا تعلق بھی اس عمود کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے تو پوری سورہ متفرق آیات کا ایک مجموعہ ہونے کے بجائے ایک نہایت حسین وحدت بن جاتی ہے، قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اس کے نظم کو سمجھنا اولین چیز ہے، جب تک یہ نظم سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک نہ تو کسی سورہ کی

اصل قدر و قیمت اور اس کی اصل حکمت ہی واضح ہوتی ہے اور نہ اس سورہ کی متفرق آیات کی صحیح تاویل ہی متعین ہوتی ہے''۴۰

فہم قرآن میں نظم قرآن کی رعایت مکتبہ فراہیؒ کا طرۂ امتیاز ہے۔اس کی تلاش وجستجو میں مولانا فراہیؒ نے زندگی کے بیشتر ایام صرف کیے ہیں، سنت رسول ﷺ کی پیروی میں ہزار ہا راتیں تہجد وتدبر میں گذاری ہیں، ایک ایک سورہ بلکہ ایک ایک آیت پر ٹھہرے ہیں، غور وتدبر کیا ہے اور خدائے ذوالجلال سے توفیق ودستگیری کی التجا کی ہے، تب جا کر یہ الفاظ نوک قلم پر آئے ہیں کہ ''میں پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نظم کی تلاش میں میں نے کسی شخص کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ صرف اللہ کی بخشی ہوئی بصیرت میری رہنما رہی ہے''۴۱

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ گرامی کی اس تحقیق کو حرز جان بنایا اور نہ صرف زیر مطالعہ کتاب بلکہ دوسرے مقامات پر بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، بلکہ اپنی شاہ کار تفسیر 'تدبر قرآن' میں اسے عملی طور پر برت کر اس اصول کی اہمیت وحقانیت کو ثابت کر دیا ہے۔۴۲

اس موضوع پر کافی مواد سامنے آچکا ہے اس کا کوئی پہلو غیر واضح اور مبہم نہیں رہا، اس لئے اس کی مزید وضاحت کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

۳۔ **تفسیر القرآن بالقرآن:** یہ مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک تفسیر قرآن کا تیسرا قطعی اصول ہے، مولانا لکھتے ہیں ''قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، قرآن مجید نے خود اپنی تعریف کتابا متشابھاً کے الفاظ سے کی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ اس کا ہر حصہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، قرآن مجید میں ایک ہی بات کہیں اجمال کے ساتھ آئی ہے اور کہیں تفصیل کے ساتھ، کہیں صرف دعویٰ کی شکل میں آئی ہے، کہیں دلیل کے ساتھ اور کہیں کسی چیز کے ساتھ آئی ہے اور کہیں کسی چیز کے ساتھ، ایک ہی بات کے اتنے گوناگوں پہلوؤں سے آنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک بات اگر ایک جگہ سمجھ میں نہ آئی تو دوسری یا تیسری جگہ سمجھ میں

آجاتی ہے اور اگر ایک جگہ اس کا پہلو واضح ہونے سے رہ گیا تو دوسری جگہ کسی اور سیاق میں وہ ضرور واضح ہو جاتا ہے، اس وجہ سے قرآن کی تفسیر کا سب سے معتبر ماخذ خود قرآن شریف ہے، اگر کوئی شخص قرآن کی مشکلات خود قرآن سے حل کرنے کی کوشش کرے تو ایک جگہ کسی چیز کا نظم واضح نہیں ہوتا تو دوسری جگہ اس کا نظم واضح ہو جاتا ہے اور اگر ایک جگہ کسی چیز کی دلیل نہیں ملتی تو دوسری جگہ اس کی دلیل مل جاتی ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات اس کے اسالیب، محاورات تک کی مشکلات مختلف صورتوں میں بار بار نمایاں ہونے کی وجہ سے واضح ہو جاتی ہیں اور چونکہ قرآن مجید کا ہر حصہ یکساں طور پر قطعی ہے، اس وجہ سے اس کے ایک حصہ کی تفسیر اس کے دوسرے حصہ کی مدد سے قطعی کی تفسیر قطعی کے ذریعہ سے ہے، اس وجہ سے اس پر کسی بڑے سے بڑے سے بڑے منکر کو بھی حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ۴۳

تفسیر القرآن بالقرآن اصولِ تفسیر کا سب سے محکم اصول ہے، ہر مکتبۂ فکر نے اسے تسلیم کیا ہے اور اپنی تفاسیر میں برتا ہے، اس لئے اس میں کسی مکتبہ فکر کا اختصاص نہیں ہے، البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اس اصول کے تقاضے کم ہی لوگوں نے پورے کئے ہیں۔ ۴۴

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ قرآنی نظائر وشواہد کو ہر حال میں تمام دوسرے قرائن وشواہد پر فوقیت دی جائے، جہاں دوسرے اصول یا نصوص سے ٹکراؤ ہو تو قرآنی نظائر کو حکم مانا جائے کیونکہ زیر آسمان یہ واحد قطعی ذریعہ ہے جس میں کسی ظن وابہام کا کوئی پہلو نہیں ہے، مولانا اصلاحیؒ کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو وہی مقام دیا ہے جو اصول میں بیان کیا ہے، چنانچہ ان کی تفسیر 'تدبر قرآن' میں جا بجا ایسے شواہد ملتے ہیں کہ انہوں نے اس اصول کی پیروی میں کئی مقبول عام تاویلات کو مرجوح قرار دیا ہے اور اس تاویل کو قابل ترجیح قرار دیا ہے، جو نظائر قرآن پر مبنی تھی۔ ۴۵ مولانا اصلاحیؒ نے ایسا استاذ امام فراہیؒ کی پیروی میں کیا ہے، جنھوں نے اپنی تفسیر کا نام ہی "تفسیر نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان" رکھا ہے۔

۱۷۔ **سنت متواترہ:**۔ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی اس کتاب میں تفسیر قرآن کا چوتھا قطعی ماخذ سنت متواترہ کو قرار دیا ہے، سنت متواترہ سے مولانا کی مراد وہ طریقہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے احکام ومناسک ادا کرنے اور زندگی کو اللہ تعالی کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا، یہ فریضہ آپ کی منصبی حیثیت کا تقاضا تھا'' ۴۶؎

اللہ تعالیٰ نے جو دین قرآن کے ذریعے سے دیا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں، جزئیات اور تفصیلات اس میں بیان نہیں ہوئی ہیں، ان کی تعلیم اس نے معلم قرآن یعنی رسول ﷺ پر چھوڑ دی، دین کا پورا اور مکمل ڈھانچہ سنت رسولؐ سے کھڑا ہوتا ہے، لیکن ان میں کسی چیز کی تفصیلات نہیں بتائی گئیں، یہاں تک کہ نماز جیسی اہم عبادت کے اوقات، اس کی تعداد، اس کی رکعات تک بھی قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی ہیں، یہی حال دوسری تمام عبادات اور دوسرے احکام وشرائع کا بھی ہے، اگر ہم سنت کو نکال دیں تو اگر چہ دین کی اصولی باتوں سے واقف ہو جائیں گے، لیکن ان کی عملی شکل سے بے خبر ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے، اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ''الا انی اوتیت القرآن ومثله معه'' ۴۷؎ (آگاہ رہو، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) پس جس طریقے سے قرآن واجب ہے، اسی طریقہ سے سنت بھی واجب ہے، اللہ تعالی نے پیغمبر ﷺ کو اسی لئے بھیجا کہ قرآن مجید مبہم نہ رہے، بلکہ مجسم اور کامل شکل میں لوگوں کے سامنے آجائے اور آپ نے عملاً ایسا کر دیا۔

قرآن وسنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں جو روح ہے، اس کو سنتِ رسولؐ سے قالب نصیب ہوتا ہے، ان دونوں کی باہمی ترکیب سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجئے تو سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا'' ۴۸؎

تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد تمام مفسرین نے بالاتفاق سنت کی طرف رجوع کی دعوت دی ہے اور اپنی تفاسیر میں اس اصولِ گراں مایہ کو پیش نظر رکھا ہے، سب کا مستدل و ماخذ وہ آیات و روایات ہیں جن میں حضور مقبول ﷺ کے فرائض واختیارات بیان کئے گئے ہیں اور جس کی انجام دہی میں آپؐ نے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، ۴۹ اس جلیل القدر ماخذ سے استفادہ کو ہر مفسر نے لازم قرار دیا ہے۔

تفسیر قرآن کے ظنی مآخذ:۔ تفسیر قرآن کے چار قطعی مآخذ پر تفصیلی بحث کے بعد مولانا اصلاحیؒ نے ظنی مآخذ پر گفتگو کی ہے، مولانا اسے ظنی مآخذ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ''ان مآخذ میں ظن اور شبہ کو دخل ہے، (ان کا ثبوت قطعی نہیں ہے، جس طرح قرآن کا ہے) اس لئے ان کو قرآن کی تفسیر میں وہیں تک دخیل بنایا جاسکتا ہے، جہاں تک وہ قرآن مجید سے موافقت کریں، اگر کوئی بات ان کی قرآن مجید کے خلاف پڑی تو ایسی صورت میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہوگی'' ۵۰

تفسیر قرآن کے ظنی مآخذ میں مولانا نے تین مآخذ بیان کئے ہیں،

۱۔ احادیث وآثار صحابہ ۲۔ قوموں کی ثابت شدہ تاریخ ۳۔ قدیم آسمانی صحیفے۔

اخبار احاد: ان مآخذ میں وہ احادیث وآثار صحابہ کو سب سے اشرف وپاکیزہ ماخذ قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوجاتا تو تفسیر میں ان کو وہی اہمیت حاصل ہوجاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی ہے، لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا، جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں'' جو لوگ احادیث وآثار کو اس قدر اہمیت دے دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر حاکم بنا دیتے ہیں۔ ۵۱ وہ درحقیقت قرآن کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور احادیث کی بھی وہ کوئی شان نہیں پڑھاتے، اس کے برعکس جو لوگ احادیث کا سرے سے انکار کردیتے ہیں، وہ اس روشنی ہی سے محروم ہوجاتے ہیں،

جو قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کو کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے، اعتدال کی راہ اس معاملہ میں یہ ہے کہ قرآن مجید کے اجمالات جس حد تک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہوں، اس حد تک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے بالمقابل ہرگز کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دی جائے۔" ۵۲

سنت متواترہ اور اخبار احاد میں معیار و مراتب کا فرق محدثین کرام کے یہاں واضح طور پر موجود ہے اور یہ فرق ثبوت میں بھی ہے اور دلالت میں بھی، قطعی الثبوت بلاشبہ قطعی الدلالۃ ہوگی، مگر ظنی الثبوت قطعی الثبوت کے بالمقابل قطعی الدلالہ ہو جائے یہ ممکن نہیں، مولانا امین حسن اصلاحیؒ نے اپنی تحریروں میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ اس باب میں جو موقف انہوں نے اختیار کیا ہے، وہی جادۂ اعتدال ہے اور وہی علماء سلف کا موقف ہے۔ ۵۳

اصول تفسیر کی متداول کتابوں میں یہ بحث بہت تشنہ ہے، یہاں محض اجمالی طور پر احادیث و آثار صحابہؓ سے استدلال و استفادہ کا تذکرہ ملتا ہے، تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد تفسیر القرآن باقوال النبی ﷺ کا مقام ہے یہاں تک مولانا اصلاحیؒ و دیگر علماء کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ جہاں تک مولانا اصلاحیؒ کے اس موقف کا تعلق ہے کہ قطعی الثبوت کا ظنی الثبوت سے اگر ٹکراؤ ہو جائے تو اعتبار قطعی الثبوت کا ہوگا تو اس کی حیثیت ایک طے شدہ اصول کی ہے، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے مگر اس کے ذکر سے اصول تفسیر کی کتابیں خالی ہیں مولانا اصلاحی اور اصول تفسیر کے موضوع پر لکھنے والے دوسرے علماء مفسرین میں فرق صرف یہ ہے کہ مولانا نے اس متفقہ اصول کو اپنی تحریروں میں وہ مقام دیا جس کا وہ مستحق تھا۔ گذشتہ دنوں میں اور کئی کتابیں منظر عام پر آ گئی ہیں، جن میں اس اصولی بحث کی طرف توجہ دی گئی ہے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی گئی ہے ۵۴ نامور معاصر عالم دین اور قاضی شریعت مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی اس موضوع پر اپنا نتیجہ تحقیق پیش کیا ہے، قطعی و ظنی دلائل کی متعدد قسمیں متعین کر کے ان کے مراتب بیان

کیے ہیں، مولانا عثمانی کے الفاظ ہیں،

''قطعی نقلی دلائل: وہ دلائل ہیں جو سو فی صد یقینی ہوں، یعنی کسی مضمون کے متعلق ان کے الفاظ بھی بالکل صریح اور صاف ہوں اور سند و ثبوت کے اعتبار سے بھی یقینی طور پر قابل اعتماد ہوں، مثلاً قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ لاتقربوا الزنی (زنا کے پاس نہ جاؤ) یہ اس بات کی قطعی اور یقینی دلیل ہے کہ اسلام میں زنا حرام ہے، کیونکہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کی مذکورہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم زنا سے منع کرنا چاہتا ہے، اسی طرح متواتر احادیث یا اجماع قطعی سے ثابت ہوں وہ بھی اسی قسم میں داخل ہیں''

''ظنی نقلی دلائل: یعنی وہ نقلی دلائل جو پہلی قسم کی طرح قطعی تو نہیں ہوتے لیکن ان سے جو بات ثابت ہوتی ہے اس کے صحیح ہونے کا غالب گمان قائم ہو جاتا ہے مثلاً وہ تمام احادیث جو متواتر نہیں ہیں لیکن اصول حدیث کی شرائط پر پوری اترتی ہیں، ایسی احادیث واجب العمل ہوتی ہیں اور ان کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہوتا، لیکن چونکہ ثبوت کے اعتبار سے وہ قرآن اور متواتر احادیث کی طرح قطعی نہیں ہوتی، اس لئے انہیں دوسرے درجہ میں رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی حدیث قرآن کریم یا متواتر احادیث کے خلاف ہو، اس کی ایسی تشریح کی جائے گی جو قرآن کریم یا متواتر احادیث کے مطابق ہو اور اگر ایسی تشریح ممکن نہ ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔''[۵۵]

محولہ بالا اقتباس سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ سنت متواترہ اور اخبار احاد کے درمیان مولانا اصلاحیؒ نے جو فرق روا رکھا ہے، دراصل یہی علماء اصولیین کا موقف ہے اور اس کے جو اسباب و دلائل بیان کئے ہیں وہ بہت محکم اور مضبوط ہیں، اس بحث کو صحیح تناظر میں نہ دیکھنے کی وجہ سے مولانا اصلاحیؒ کے موقف کو بعض دفعہ ہدف تنقید بنایا گیا ہے[۵۶] جبکہ اصول تفسیر کے باب میں مولانا اصلاحیؒ نے غور و فکر کی ایک نئی جہت بخشی ہے۔

تفسیر قرآن کے باب میں اخبار احاد، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی استدلالی حیثیت پر تحقیقی مواد بہت کم پایا جاتا ہے، اصول تفسیر کی کتابوں میں اسے محض ایک نہایت متبرک اور مامون ماخذ کی حیثیت سے پیش کردیا گیا ہے اور آیات قرآنی پر اس کی عملی تطبیق اور اس کے ممکنہ اثرات ونتائج کا تجزیہ بھی کم ہی کیا گیا ہے، منقولہ روایات کے مقررہ معیار پر کھری یا کھوٹی اترنے کی وجہ سے استدلالی حیثیت پر جو فرق پڑتا ہے، اس کی وضاحت بھی عموماً مفقود ہے، حجیت کے اعتبار سے کیا آثار صحابہؓ احادیث نبویہ کے ہم پلہ ہوں گے، تابعین عظامؒ کے اقوال مبارکہ بھی حجت ہوں گے یا نہیں؟ اصول تفسیر کی کتابیں ان سوالات کے تسلی بخش جواب سے خالی نظر آتی ہیں البتہ ان کتابوں میں تفسیر قرآن میں اس ماخذ کے استعمال کی پرزور تاکید ضرور ملتی ہے حالانکہ اہل نظر کے درمیان یہ احساس بھی عام ہے کہ اس دروازہ سے تفسیر کے وسیع ذخیرہ میں بہت کچھ غیر صحت مند مواد بھی راہ پا گیا ہے بالخصوص سورتوں کے فضائل، آیات کے شانِ نزول اور تاریخی واقعات کی تشریح میں بڑی بے احتیاطی سے غیر معتبر روایات سے استدلال کیا گیا ہے۔ غالباً اسی صورتِ حال سے بددل ہوکر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث کو کہنا پڑا کہ:

ثلاثة لااصل لها، المغازی والملاحم والتفسیر۵۶الف (حدیث پاک کے ضمن میں) تین چیزیں جن کی کوئی اصل نہیں مغازی، ملاحم اور تفسیر۔ امام احمدؒ کے اس تبصرہ کی روشنی میں اگر صرف سورۃ الفاتحہ کی تفاسیر کا جائزہ لیا جائے تو اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا کہ اس کے اسماء، فضائل اور شانِ نزول کے تعلق سے جتنی روایات پیش کی گئی ہیں ان میں احتیاط کا دامن کہاں کہاں ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ اسی پر پورے قرآن کی تفسیر کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور اسلامی زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کے جو منفی اور مضر اثرات پڑے ہیں ان کی کمیت اور کیفیت کا صحیح اندازہ لگانا بھی آسان نہیں ہے۔

اس پس منظر میں مولانا امین احسن اصلاحی کے موقف کا جو دراصل ان کے

استاذ گرامی امام فراہیؒ کے موقف کی توسیع وتوضیح ہے، معروضی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئے گی کہ یہ ایک متوازن موقف ہے اور وہ یہ ہے کہ احکام سے متعلق روایات کی طرح جملہ روایات کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی ان سے استدلال کیا جائے۔ چنانچہ اگر اخبار احاد اور آثار صحابہؓ کے تعلق سے مولانا اصلاحیؒ کے یہاں بظاہر کسی قدر بے اعتنائی کا احساس ہوتا ہے تو اس کا سبب بھی یہی شدتِ احساس اور شدّتِ احتیاط ہے۔

قوموں کے ثابت شدہ حالات: مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے نزدیک یہ دوسرا ظنی ماخذ ہے، اس کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید نے متعدد پہلوؤں سے قوموں کی تاریخ کی طرف اشارے کئے ہیں، کہیں عرب کی پچھلی قوموں مثلاً عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کی تباہی کا ذکر ہے، کہیں اہل عرب کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مکہ میں آنے، بسنے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی واقعات کی طرف توجہ دلائی ہے، کہیں یہود ونصاریٰ کی تاریخ کے اہم واقعات کی طرف اشارے کیے ہیں، کہیں کہیں زمانہ نزول کی بعض معاصر قوموں اور ان کے بعض اہم حالات کی طرف اشارے کردیئے ہیں، اس طرح بے شمار تاریخی حقائق، ہیں جو کسی نہ کسی نوعیت سے قرآن میں زیر بحث آئے ہیں، ان سارے واقعات کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے ان قوموں کی تاریخ اور ان کے حالات سے فی الجملہ واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ مقاصد اچھی طرح دلنشین نہیں ہوسکتے جن کے لئے قرآن مجید میں یہ واقعات بیان کئے ہیں۔"[۵۷]

تفسیر قرآن کے اس ظنی ماخذ یا خارجی ماخذ کو مولانا اصلاحیؒ نے مقدمہ تدبر قرآن، میں تاریخ عرب کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے،[۵۸] علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے یہاں یہ مباحث ناپید ہیں، جبکہ علوم القرآن کی کتابوں میں تاریخ وقصص سے واقفیت کی ضمن میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔[۵۹]

قدیم آسمانی صحیفے: مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک تیسرا ظنی ماخذ قدیم

آسمانی صحیفے، ہیں، اصول تفسیر کی کتابوں میں بالعموم اسرائیلیات سے اجتناب پر بہت زور دیا گیا ہے، اوراس اصولی موقف کو دہرا گیا ہے کہ ''جو روایات قرآن وسنت کے موافق ہیں، وہ تسلیم کی جائیں گی جو اس کے خلاف ہیں وہ رد کی جائیں گی اور جو نہ موافق ہیں نہ مخالف، ان کے سلسلے میں توقف اختیار کیا جائے'' ٦٠ مولانا اصلاحیؒ کا بھی اسرائیلیات کے بارے میں یہی موقف ہے، بلکہ ایسے واضح اصول کی موجودگی میں مفسرین نے اسرائیلیات سے استفادہ کے باب میں جو بے احتیاطیاں ہوئی ہیں ان سے وہ سخت کبیدہ خاطر ہیں اور یہ کبیدگی کئی بار نوک قلم پر بھی آ گئی ہے۔ کتاب کے اس باب میں مولانا نے جو بحث اٹھائی ہے، وہ اس موضوع سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے اسرائیلیات سے نہ صرف بچنے پر زور دیا ہے، بلکہ اس کے سرچشمے کو سمجھنے پر زور دیا ہے، تاکہ اس میں جو تحریفات ہوئی ہیں ،ان کی صحیح صورتِ حال واضح ہو جائے اور قرآن کی فرقانیت وحقانیت مکمل طور پر سامنے آجائے اس سلسلے میں مولانا اصلاحیؒ کا موقف انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

''اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ انبیاء کے پاک گروہ کے ایک فرد اور قرآن مجید آسمانی صحیفوں کے زمرہ کی ایک کتاب ہے ،اس لئے قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح میں دوسری آسمانی کتابوں سے نہایت قیمتی مدد مل سکتی ہے، جہاں تک حصولِ ہدایت کا تعلق ہے، اب قدیم آسمانی صحیفوں کی رہنمائی کے ہم محتاج نہیں رہے، ہدایت ورہنمائی کے لئے خدا کی آخری کتاب، جو ہر نقص سے پاک ہے، ہمارے لئے کافی ہے، لیکن مختلف پہلو ہیں جو تقاضا کرتے ہیں کہ ہم قدیم آسمانی صحیفوں سے براہ راست واقفیت حاصل کریں۔

اول: یہ کہ قرآن مجید کے بہت سے اشارات کی وضاحت کے لئے ہمارے علماء کو اہل کتاب سے روایات لینی پڑی ہیں اور وہ روایات چونکہ تمام تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں، اس لئے ان کی کوئی علمی قدر و قیمت نہیں ہے، نہ وہ اہل کتاب پر حجت ہوسکتی ہیں اور نہ ہم ان پر اپنے کسی دعویٰ یا دلیل کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، اس لیے کہ ضروری ہے

کہ ہم براہ راست قدیم صحیفوں کا علم حاصل کریں، تاکہ ان چیزوں کے بارہ میں ہم جو کچھ کہیں وہ علی وجہ البصیرت کہیں:۔

دوم: یہ کہ قرآن مجید پچھلے صحیفوں کی تعلیمات کو مکمل کرتا ہے اور ان میں جو خرابیاں پیدا کردی گئی ہیں، ان کی اصلاح کرتا ہے۔اس لئے جب آدمی قرآن مجید کے ساتھ قدیم صحیفوں کو پڑھتا ہے تو اس پر قرآن مجید کی عظمت و برتری واضح ہوجاتی ہے اور اس امت پر اللہ تعالیٰ نے جو فضل عظیم اس کتاب کے ذریعہ فرمایا ہے۔اس کے گوناگوں پہلو بے نقاب ہوتے ہیں۔

سوم: یہ کہ قرآن مجید نے بیان احکام کے سلسلہ میں بھی اور تاریخی واقعات کے ذکر کے ذیل میں بھی جگہ جگہ ایسی تلمیحات رکھ دی ہیں جو اس وقت تک پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی ہیں، جب تک آدمی قدیم صحیفوں سے واقف ہو۔

چہارم: یہ کہ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کو اس بات کا مجرم گردانا ہے کہ انہوں نے خدا کی کتاب میں تحریفیں کی ہیں، ان کے اندر بہت سی ایسی چیزیں شامل کردی ہیں جو ان میں نہیں تھیں اور کتنی چیزیں نکال دی ہیں جو ان میں نہایت تصریح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، نیز انہوں نے بے شمار معاملات میں اپنی روش صریحاً اللہ اور اس کے نبیوں کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف بنالی ہے، کتنے حرام حلال ٹھہرا لئے ہیں اور کتنے حلال حرام کردیئے ہیں، اس طرح کی ساری باتوں کو مدلل کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی کی نظر تورات و انجیل پر ہو، ورنہ اہل کتاب پر کما حقہ حجت پوری نہیں ہوسکتی۔[61]

ظنی مآخذ میں آخری دو مآخذ پر مولانا کی تحریروں سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی واقفیت حاصل کرنے پر مولانا نے زور دیا ہے۔ جہاں تک استدلال و استفادہ کا تعلق ہے تو ان کی حیثیت ہمیشہ ثانوی ہوگی اور وہ بھی اس اصولی احتیاط کے ساتھ کہ ان کی وجہ سے قطعی اصولوں پر آنچ نہ آئے، ایسا اصولی موقف رکھنے کے

باوجود اگر ان کو اس باب میں ہدف تنقید و ملامت بنایا جائے تو کیا کہا جا سکتا ہے۔۶۲

خلاصہ:۔ مبادی تدبر قرآن اصول تفسیر کے موضوع پر بلاشبہ ایک نہایت اہم تصنیف ہے، اس کتاب میں مولانا اصلاحی نے بڑے مدلل اور دل نشین انداز میں مولانا فراہی کے تفسیری افکار کی ترجمانی کی ہے۔ اس میں نہ صرف اس موضوع سے متعلق متعارف عنوانات زیر بحث آئے ہیں بلکہ نئے مباحث اور نئی جہات کا اضافہ کیا گیا ہے جن سے عام طور اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں تعرض نہیں کیا جاتا۔ بلاشبہ اصول تفسیر کے میدان میں یہ کوشش بڑی اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتی ہے۔

مگر یہ کتاب بھی اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے اور نہ ہی یہ اصول تفسیر کی جملہ جہات کا احاطہ کرتی ہے، اس میں بھی چند ہی اصول وضوابط کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اصول تفسیر کا موضوع ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور اس باب میں بحث و تحقیق کی ابھی بڑی گنجائش ہے، خاص طور سے کلام عرب سے بحیثیت ماخذ استفادہ کے ضوابط، اسالیب قرآن کی توضیح و تطبیق، مآخذ تفسیر کا دیانت دارانہ محاکمہ اور علوم قرآن کے متنازعہ فیہ مسائل کی تحلیل کی جانب توجہ کی شدید ضرورت ہے، ان اہم مسائل سے متعلق واضح ضوابط مقرر نہ ہونے کی وجہ سے آیات کی تفسیر و تاویل میں بہت کچھ اختلاف راہ پاجاتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ فہم قرآن کی راہ میں حائل اس نوع کی رکاوٹیں بھی دور کردی جائیں اور تفسیر قرآن کے ایسے واضح اصول وضوابط مقرر کردیئے جائیں کہ من مانی تفسیر کی راہ سے در آنے والے خطرات کا سد باب ہوجائے اور امت اس شر سے محفوظ ہوجائے۔

حواشی ومراجع

۱۔ متعدد آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہے، دیکھئے: سورہ نحل ۴۴، مائدہ ۶۷ نساء: ۱۰۵، احزاب ۳۶، الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ، سنن ابی داؤد، کتاب امارات الساعۃ، باب ۶: خطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الروایہ، مصر، ۱۳۵۷ھ

۲۔ امام ترمذی، جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ما جاء فی فضل التفسیر،

۳۔ اصول التفسیر وقواعدہ، خالد عبد الرحمٰن العک، دار النفائس، بیروت ۱۹۶۹، ص ۳۰

۴۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، المقدمہ فی اصول التفسیر، ترجمہ عبد الرزاق ملیح آبادی، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور

۵۔ مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی اور سید سلیمان ندوی نے اسے موضوع پر پہلی کتاب کہا ہے، (معارف سید سلیمان ندوی نمبر ص ۲۴۹) اور خود شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایسے مربوط ومستحکم قواعد برسہا برس کے مطالعہ کے بعد بھی حاصل نہیں کیے جا سکتے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ترجمہ وحواشی، سید سلمان حسینی ندوی، کلیۃ الشریعہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو، ۱۹۸۶، ص ۲، تاریخ دعوت وعزیمت سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو، بار دوم ۱۹۸۹، ۱۵۰/۵۔۱۵۴۔

۶۔ عتیق احمد بستوی، فن اصول تفسیر۔ ایک جائزہ، ماہنامہ برہان (دہلی) ۱۹۸۹۱/۷۶، جنوری ۱۹۷۶ء ص ۳۹

۷۔ اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں خواہشات نفس کے مطابق تفسیر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم بتایا گیا ہے۔ من رأى فى القرآن برأ يه فليتبوأ مقعده من النار جامع ترمذی، ابواب التفسیر،

۸۔ تفسیر قرآن کے اصول، حمید الدین فراہی، ترجمہ وترتیب، خالد مسعود، ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور، بار اول ۱۹۹۹ء ص ۸۱۔

۹۔ مولانا فراہیؒ نے اصول تفسیر کے موضوع پر متعدد رسالے تصنیف فرمائے

ہیں، مقدمہ نظام القرآن، دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل، اسالیب القرآن اور مفردات القرآن، یہ رسائل دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ سے عرصہ ہوا شائع ہو چکے ہیں اور اب ایک نئے خوبصورت قالب میں دستیاب ہیں، دیکھئے رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، دائرہ حمیدہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڈھ ۱۹۹۲، یہ رسائل شروع سے علماء و محققین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں، ان رسائل کی بنیاد پر کئی محققین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریا حاصل کی ہیں، مفردات القرآن پر ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، اور اپنی گراں قدر تحقیقات سے اس رسالے کو بہت مدلل اور مفید بنا دیا ہے۔ یہ کتاب ابھی جلد ہی منظر عام پر آئی ہے، دیکھئے، الامام عبدالحمید الفراہی، مفردات القرآن، نظرات جدیدۃ فی تفسیر الفاظ قرانیہ، تحقیق وشرح، ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی، دارالغرب الاسلامی ، بیروت، ۲۰۰۲ء اول الذکر چاروں رسائل کے مضامین کو جناب خالد مسعود صاحب (مدیر تدبر، لاہور) نے سلیس وشگفتہ اردو زبان میں منتقل کر دیا ہے اور مکررات کو حذف کرتے ہوئے ان مضامین کو اصول تفسیر کے موضوع پر یہ جامع کتاب بن کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ اس کے توسط سے مولانا فراہیؒ کے اصولوں سے عام اردو داں طبقہ کے لئے بھی استفادہ آسان ہوگیا ہے دیکھئے: تفسیر قرآن کے اصول، امام حمیدالدین فراہی محولہ بالا۔

۱۰؎ مبادی تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاونڈیشن لاہور، ۱۹۸۸، اسی کتاب پر یہ مضمون مبنی ہے، اس کے مضامین موقر رسالہ ماھنامہ ''الاصلاح'' میں ۱۹۳۶۔ ۱۹۳۹ء شائع ہوتے رہے ہیں، اس کے بعد تدبر قرآن کے نام سے کتابی صورت میں ۱۳ اڈیشن ئع ہوئے، مصنف کی نظر ثانی کے بعد پاکستان میں پہلے یہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، سے شائع ہوتی رہی ہے، اب ۱۹۸۸ء سے فاران فاونڈیشن، اچھرہ، لاہور نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، یہ ادارہ بھی چار اڈیشن شائع کر چکا ہے، یہی نسخہ راقم الحروف کے پیش نظر رہا ہے۔ ہندوستان میں قرآن وسنت اکیڈمی نے اسے تحقیق وتخریج کے بعد بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ دیکھئے: مبادی تدبر قرآن، قرآن وسنت اکیڈمی، N-I۔ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، ۲۵

۱۱ جلال الدین سیوطی الاتقان فی علوم القرآن،،(تقدیم وتعلیق، مصطفیٰ دیب البغاء) دارابن کثیر، بیروت ۱۹۸۷ء، النوع الخامس والثلاثون :فی آداب تلاوتہ وتالیفہ، ۱/۳۲۴۔ محمد بن لطفی الصباغ، ۱۳۵ لمحات فی علوم القرآن، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۰ء ص ۹۵، اصول التفسیر وقواعدہ، ص ۱۸۸۔۸۹

۱۲ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۵

۱۳ حوالہ مذکور

۱۴ بخاری، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول ﷺ

۱۵ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۶

۱۶ حوالہ مذکور، ص ۱۶

۱۷ حوالہ مذکور ، ص ۲۱

۱۸ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کو معلم قرآن وقاری قرآن کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے اور یہ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے قرآن سے گہرے شغف کی وجہ سے ہے، اس سلسلے کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے، تاریخ القرآن، مفتی عبداللطیف رحمانی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی، ابوالخیر مارگ، دہلی ۱۹۸۳ء، ص ۵۴۔۶۰، علوم القرآن، محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۱۹۹۹ء ص ۴۴۵۳۔۴۶۱

۱۹ مبادی تدبر قرآن، ص ۲۳

۲۰ حوالہ مذکور، ص ۲۹

۲۱ حوالہ مذکور، ص ۳۱

۲۲ حوالہ مذکور، ص ۳۲

۲۳ حوالہ مذکور، ص ۵۷

۲۴ حوالہ مذکور، ص ۶۷

۲۵ حوالہ مذکور، ص ۶۷

۲۶ حوالہ مذکور، ص ۸۰

۲۷ حوالہ مذکور، ص ۸۰

۲۸ حوالہ مذکور، ص ۸۶

۲۹ حوالہ مذکور، ص ۸۷

۳۰ حوالہ مذکور، ص ۱۸۱

۳۱ حوالہ مذکور، ص ۱۷۹

۳۲ مولانا فراہیؒ نے ان مباحث پر سب سے زیادہ گفتگو مقدمہ نظام القرآن میں کی ہے، اس کے علاوہ التکمیل فی اصول التاویل اور بعض مضامین میں بھی بحث کی ہے، تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح ، اعظم گڈھ، ۱۹۹۰ء اور التکمیل فی اصول التاویل، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، اعظم گڈھ، ۱۹۹۹۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مقدمہ تدبر قرآن میں اس بحث کو از سر نو مرتب کیا ہے اور اس میں کچھ حذف واضافہ بھی کیا ہے، دیکھیے: تدبر قرآن ، (مقدمہ)، فاران فاونڈیشن، لاہور، جلد اول، ۱۹۸۰ء

۳۳ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۸۱

۳۴ حوالہ مذکور، ص ۱۹۰؛ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۳۹ ۔ ۴۱؛ مقدمہ تدبر قرآن، ۱/۱۴۔۳۳

۳۵ حوالہ مذکور: مبادی تدبر قرآن میں بھی ایک مقام پر اسے داخلی اور خارجی وسائل سے تعبیر کیا گیا ہے، ص ۵۸

۳۶ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۹۱

۳۷ حوالہ مذکور

۳۸ تدبر قرآن، ۱/۱۴۔۱۷

۳۹ مولانا اصلاحیؒ کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے مولانا فراہیؒ کی کتاب مفردات القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔اس کتاب میں مولانا فراہیؒ نے ایسے الفاظ کے صحیح مفاہیم متعین کیے ہیں اور قرآن مجید و کلام عرب سے نظائر پیش کیے ہیں۔ دوسرے اصولیین اور مفسرین کا نقطہ نظر سمجھنے کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۱۲۰۹؛ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۱۰۔۱۴؛ الشاطبی ، الموافقات فی اصول الشریعۃ ، المکتبہ التجاریہ، مصر، ۲/ ۶۴؛ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۴۷؛ اصول التفسیر وقواعدہ، ص ۱۳۷؛ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیث، مصر، ۱۹۷۶ء

۲۹/۱؛ لمحات فی علوم القرآن، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۰، ص ۱۹۲

۴۰ مبادی تدبر قرآن ص ۱۹۴

۴۱ تفسیر نظام القرآن (مقدمہ)، ص ۲۹

۴۲ نظم قرآن مکتبہ فراہی کا خاص موضوع ہے، نظم قرآن کا تصور اور تفسیر قرآن کے لئے اس کی افادیت ہمیشہ مسلم رہی ہے، مگر تفسیر قرآن میں اس کے کلیدی کردار کی دریافت اور اس اصول کی فطری تطبیق میں مولانا فراہی کا بڑا حصہ ہے، استاذ امام فراہیؒ نے اس موضوع پر خاص طور سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ جو دلائل النظام کے نام سے عرصہ قبل شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور اکابر علماء میں امام ابن تیمیہ اور امام زرکشیؒ کی منتشر تحریروں کا ایک مجموعہ بھی دائرہ حمیدیہ نے نظم قرآن۔ ایک تعارف، کے نام سے شائع کیا ہے اور اس موضوع پر کم از کم تین محققین نے تحقیقی مقالے لکھ کر امریکہ، سعودی عرب اور ہندوستان سے پی، ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، دیکھئے: ڈاکٹر مستنصر میر Themetical and Structural Coherence in Ihe Quran-A Study of Islahi'sConcept of Nazm in Tadabbur-i Quran, Indianapolis.(U.S.A)1986 - ڈاکٹر عنایت اللہ سبحانی، البرہان فی نظام القرآن، دار الکتب، اسلام آباد، ۱۹۹۴، ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی، نظریہ نظم قرآن اور اس کا ارتقاء، لکھنو یونیورسٹی، لکھنو، ۲۰۰۰

۴۳ مبادی تدبر قرآن ص ۲۱۵

۴۴ حوالہ مذکور

۴۵ تدبر قرآن بقرہ ۱۸۴، مریم/۱۷؛ تحریم/۴۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے تفسیر قرآن کے اصول، ص ۱۵۳۔۱۶۴

۴۶ مبادی تدبر حدیث، امین احسن اصلاحیؒ، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۰، ص ۲۴

۴۷ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب ۶

۴۸ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۷

۴۹ تفصیلات کے لئے دیکھئے: حفاظت حدیث، خالد علوی، الفیصل

ناشران، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۳۳۔۸۱

۵۰ مبادی تدبر قرآن، ص ۲۱۸

۵۱ حوالہ مذکور

۵۲ مبادی تدبر قرآن، ص ۲۱۹

۵۳ حوالہ مذکور، ص ۵۳

۵۴ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے حسین بن علی حسین الحربی ،قواعد الترجیح عند المفسرین، دراسۃ نظریۃ تطبیقیۃ، دار القاسم، ریاض، ۱۹۹۶ء

۵۵ علوم القرآن، ۴۱۰

۵٦ مولانا اصلاحیؒ اور مولانا فراہیؒ کے نظریہ حدیث کو کئی مرتبہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے، تفصیلات کے لئے دیکھیے: محمد رضی الاسلام ندوی، مولانا فراہی اور حدیث، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ۹/۱۴ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۰ء ۱۰/۲ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۱، ٦٧، ۸۷ رفیق احمد رئیس سلفی علوم الحدیث، مطالعہ وتعارف، مقالہ مولانا عبد المعید سلفی، عنوان مقالہ: کلیدی خطبہ، مقامی جمعیت اہل حدیث، علی گڑھ ۱۹۹۹ ص ۵۲۔۵۳

۵٦ الف محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸٦ء ص ۴۷

۵۷ مبادی تدبر قرآن ص ۲۲۰

۵۸ تدبر قرآن ۱/۳۳

۵۹ الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۲۰۹

٦۰ التفسیر والمفسرون، ۱/٦۱۔٦۲

٦۱ مبادی تدبر قرآن، ۲۲۳

٦۲ رفیق احمد رئیس سلفی، علوم الحدیث، مطالعہ وتعارف، ص ۵۲